© rasailojaraid.com



# زکوٰۃ

## معاشیاتی نقطۂ نظر سے

(۲)

از جناب نعیم صدیقی صاحب

**محتاج اور فقرزدہ ہندوستان** سب سے پہلے تو معلوم ہونا چاہیے کہ ہندوستان میں وہ عنصر کتنا ہے جو ابتدائی ضروریات میں فوری امداد کا ہر آن مستحق رہتا ہے۔ اور ایسے لوگ کتنے ہیں جن سے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ دوسروں کی اعانت کے لیے اپنے اموال میں سے کچھ دے سکتے ہیں۔

یہ تو معلوم ہے کہ تازہ ترین مردم شماری کی رو سے ہندوستان کی آبادی تقریباً چالیس کروڑ ہے۔ اب مختلف اندازہ کرنے والوں نے اس آبادی کی معاشی حالت کے متعلق جو اندازے کیے ہیں، ان کا خلاصہ عرض کیا جاتا ہے:

ماہرین کا خیال ہے کہ اگر ہندوستان کی پوری دولت کو اس کی آبادی پر برابر برابر تقسیم کر دیا جائے تو بھی اس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ ملک کا ہر شخص فلاکت زدہ اور مصیبت زدہ رہے، بجائے اس کے کہ کچھ لوگوں کے ہاں دولت کے انبار سمٹ جائیں اور دوسروں کے حصہ میں وہ قلیل اور حقیر سی پونجی بھی نہ رہ جائے جو مساویانہ تقسیم سے متعین ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو:-

| سال اندازہ | فی کس آمدنی | | سال اندازہ | فی کس آمدنی | |
|---|---|---|---|---|---|
| سنہ ۱۸۷۰ | ۲۰ روپے | (دادا بھائی نوروجی) | سنہ ۱۹۰۰ | ۳۰ روپے | (لارڈ کرزن) |
| پہلی جنگ عظیم کے بعد | ۱۱۴ " | (مسٹر شیراس) | سنہ ۱۹۳۲-۳۳ | ۵۸ " | (مسٹر شیراس) |

نوٹ (سنہ ۱۹۱۴ کے بعد آمدنی کا اضافہ ان بحرانی احوال کی وجہ سے ہے جو جنگ کے نتائج کے طور پر نمودار ہوئے تھے)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اس کے بعد تازہ ترین اندازہ جو جنگ عظیم ثانی کے بعد کیا گیا ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ ایک ہندوستانی کے حصہ میں مساویانہ تقسیم کی رو سے چونسٹھ روپے چھ آنے سے لے کر اٹھتر روپے سالانہ تک دولت آ سکتی ہے۔ ان دونوں رقموں کے بیچ میں ستر کا ہندسہ لے لیجیے۔ یعنی:-

سالانہ: ۷۰ روپے۔ ماہانہ: ۵ روپے ۱۳ آنے ۴ پائی۔ یومیہ: ۳ آنے ۱¼ پائی۔

اب ہمارا ہندوستانی اس ۳ آنے ۱¼ پائی سے روٹی بھی کھائے گا، کپڑا بھی پہنے گا، مکان بھی بنائے گا، صحت کا رکھ رکھاؤ بھی کرے گا، حکومت کو فوج، پولیس، عدالت، تعلیم، وغیرہ مشترکہ کاموں کے لیے ٹیکس اور چندے بھی دے گا ---- اور وہ یہ سب کچھ اسی تین آنے سوا پائی میں کرتا ہے! ---- ایک دلچسپ معما ہے یا نہیں؟

ہاں، یہاں اس امر کا ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ جنگ عظیم ثانی کی جو فضا اب تک معاشیاتی مسائل پر مسلط ہے، وہ ہمارے ہندوستانی کی آمدنی میں بہت بڑا اضافہ کر گئی ہے، مگر یہ محض نمائشی اضافہ ہے، کیونکہ یہ نتیجہ ہے "افراط زر" کا، یعنی مصنوعی زر کاغذی اتنا پھیلا دیا گیا ہے کہ اس کی قیمت گر گئی ہے اور اشیاء کی گرانی نارمل سے کئی سو فیصدی تک بڑھ گئی ہے، اس وجہ سے آمدنی کی اس نمائشی ترقی کا تذکرہ غیر ضروری ہے، ورنہ اس سے غلط فہمی ہوگی۔ پیداواری اضافہ غالباً کل ۲۰ جز ہوا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے ہندوستانی صاحب کی یومیہ آمدنی تین آنے ساڑھے آٹھ پائی ہو گئی ہے سالانہ ۸۴ روپے۔ تو پھر کیا ہوا؟

دولت کی اس کمی کا علاج تو اضافۂ پیداوار ہی سے ممکن ہے اور اس پہلو سے تدابیر کو سوچنا معاشیات کا ایک مادی میدان کار ہے۔ ہماری دلچسپی معاشیات کے اخلاقی پہلو سے ہے، یعنی ہم توجہ اس پر دے رہے ہیں کہ سوسائٹی کے افراد میں صلاحیتوں اور قوتوں کا جو اختلاف ہے وہ انفرادی آزادی کی فطری نعمت کو بحال رکھنے کی صورت میں تقسیم دولت میں جو ناہمواری پیدا کر دیتا ہے، اس کے ازالہ کی مختلف اصلاحی تدابیر میں سے ایک تدبیر "زکوٰۃ" کے عمل کا جائزہ لیں۔ جن لوگوں کو ہندوستان کی دولت میں سے زیادہ حصہ ملا ہے ان کے کندھوں پر ان لوگوں کی اعانت کی ذمہ داری کا بوجھ رکھیں جو بعض کمزوریوں کی وجہ سے اپنے اصل حصے سے بھی کم پا رہے ہیں۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سلسلہ میں ایک ماہر کا اندازہ یہ ہے کہ ہندوستان کی ۹۰ ٪ آبادی مفلوک الحال ہے اور صرف ۱۰ ٪ با آرام زندگی بسر کر رہی ہے۔ ہماری رائے میں یہ اندازہ ایک حد تک صحیح ہے۔ مگر اس اندازہ میں مفلوک الحال سے مراد ایسی حالت ہے جس میں جملہ انسانی ضروریات یا ان کے کسی بھی حصہ کو پورا کرنے میں مشکلات حائل ہوں ——— اور وہ ضروریات یہ ہیں :-

۱- غذا ؛

۲- لباس -

۳- مکان -

۴- صحت -

۵- تعلیم -

۶- آرام اور تفریح کے ناگزیر وسائل -

آخری ضرورت کو اس فہرست سے آپ سر دست حذف ہی سمجھیے اور تعلیم کو بھی ابھی درکنار رکھیے، بلکہ صحت کو بھی ! ——— حتیٰ کہ مکان اور لباس کا مسئلہ بھی ابھی نظر انداز کر کے صرف "غذا" کے سوال کو لے لیجیے؛ کیونکہ یہ ایسی ضرورت ہے جس کے بغیر روح اور جسم کا رشتہ برقرار ہی نہیں رکھا جا سکتا ——— اولین اور اہم ترین ضرورت !

اس معاملہ میں ہندوستان کا حالِ زار یہ ہے کہ

ا- ۳۹ ٪ باشندوں کی غذا متوازن اور معیاری ہے !

ب- ۴۱ ٪ باشندوں کی غذا غیر متوازن اور غیر معیاری ہے !

ج- ۲۰ ٪ باشندوں کی غذا بہت ہی ناکافی اور ردی ہے !

نوٹ:- اس آخری طبقہ کے ۸ کروڑ افراد میں بالکل فاقہ مست اور گداگر وغیرہ سبھی کو شامل سمجھیے !

گویا اگر صرف غذا ہی کے اولین مسئلے پر توجہ دی جائے تو ہمارے پاس ۸ کروڑ باشندے یا (۵ افراد فی کنبہ کے اوسط سے) ایک کروڑ ۶۰ لاکھ کنبے دوسروں کی مدد کے محتاج ہیں۔ نیز یہ کہ اگر "زکوٰۃ" کا امدادی "فنڈ"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ان لوگوں کی اولین ضرورت پوری کرکے بچ رہے تو "ناقص غذا" پر بسر کرنے والی ۴۸ ٪ آبادی یا ۱۶۴۰۰۰۰۰۰ باشندوں یا ۳۲۸۰۰۰۰۰ کنبوں کو ضروری مالی امداد درکار ہے! ہاں اگر طبقہ "ج" کی ضرورت سے کچھ نہ بچے تو ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑا بھی جا سکتا ہے۔

دوسرے یہ بات بھی واضح ہے کہ بقیہ ۴۹ ٪ فیصدی آبادی ہی میں وہ لوگ پائے جا سکتے ہیں جن سے "زکوٰۃ کا امدادی فنڈ" جمع ہونا ہے ـــــ اس امر کا امکان ضرور ہے کہ طبقہ "ا" میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہو جو مناسب غذا کھا پی کر کچھ بچا نہ سکتے ہوں کہ ان پر زکوٰۃ عائد ہو سکے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ طبقہ "ب" میں ایسی نرالی مخلوق پائی جا سکتی ہے جو غذا کے معاملہ میں دانستہ کنجوسی اور بنیا پن کر کرکے کچھ نہ کچھ پس انداز کر رہی ہو ـــــ یہ نرالی مخلوق کم ضرور ہوگی!

خیر ایک سرسری حساب سے یوں سمجھیے کہ کل آبادی کا ۵ ٪ فیصدی حصہ ایسا ہے جس سے ہم کچھ نہ کچھ چندہ زکوٰۃ فنڈ کے لیے وصول کر سکتے ہیں ـــ اور تقریباً ۲۰ ٪ پر خرچ کر سکتے ہیں!

اب لیجیے دوسرا مسئلہ لباس کا ـــــ تاکہ اگر غذا کے مسئلے کو حل کرنے سے فنڈ بچ نکلے تو اسی دوسری شدید ضرورت پر صرف کیا جا سکے۔

اندازہ کیا گیا ہے کہ ہندوستان میں کپڑے کا کل صرف ۴½ ارب گز ہے ـــــ اگر یہ مقدار برابر تقسیم ہو تو ہر ہندوستانی کو ۱۲½ گز کپڑا سالانہ ملتا ہے، مگر تقسیم یوں تو ہوتی نہیں۔ بلکہ بعض کو زیادہ حصہ ملتا ہے، بعض کو کم۔ تخمیناً ہر دس ہندوستانیوں میں سے ایک کا لباس بہت ہی اچھے معیار کا ہوتا ہے، دوسرے کا بھی مناسب اور تن پوش، تیسرے کا اگرچہ کافی نہیں ہوتا، مگر ناکافی بھی اسے نہ سمجھنا چاہیے گذر کے لیے مناسب ہے، یہ تو ۱۲ کروڑ افراد کا حساب ہوا۔ اب رہے ۲۸ کروڑ تو یہ بہت ہی کم حصہ پاتے ہیں۔ یعنی ان میں سے مرد تو ایک لنگوٹ اور ایک پگڑی پر گذر کرتے ہیں اور اپنی عورتوں کو ایک ساڑی یا زیادہ سے زیادہ اس کے ساتھ ایک بوری، انگیا فراہم کر دیتے ہیں اور بس۔ ان میں سے ۸ کروڑ کی حالت اگر مصلحتاً قابل برداشت قرار دے بھی دی جائے تو بقیہ ۲۰ کروڑ تو خود عریاں رہ کر ملک کے نظام معاشی کو اور اس کی اخلاقی ابتری کو ننگا کر رہے ہیں۔ یوں سمجھیے کہ ان بے چاروں میں سے کسی کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اگر سالانہ سے زائد کپڑا مل ہی نہیں سکتا۔ آگے چل کر ہم غور کریں گے کہ زکوٰۃ فنڈ اس عریانی کا کیا علاج کرسکتا ہے جس کا نہ الٹا ہے نہ سیدھا!

اس کے بعد مکانوں کا مسئلہ ہمارے سامنے آتا ہے۔ اگر غذا اور لباس کے مسئلہ سے ہم نمٹ لیں تو پھر اس پر فوری توجہ ناگزیر ہوگی۔ گذشتہ مردم شماری بتاتی ہے کہ مکانوں کی کل تعداد ہندوستان میں :-

ا۔ دیہی = ۶۶۴۳۶۰۹۴

ب۔ قصباتی = ۹۵۹۹۲۵۱

مجموعی = ۷۶۰۳۵۳۴۵

ہے۔ اب حساب یوں بنے گا کہ ہر ہزار گھر میں ۵۱۱۶ افراد یا ایک گھر میں ۵ سے زیادہ افراد رہتے ہیں۔ اس حساب میں یہ بات ملحوظ رہے کہ ملک میں بہت بڑی تعداد مجردین اور بیوہ عورتوں کی بھی ہے اور ۵ افراد سے کم کے کنبے ۵ افراد سے زیادہ کنبوں سے زیادہ ہیں۔ اس لحاظ سے مکانوں کی اس تعداد کو کم از کم پانچ گنا ہونا چاہیے، ورنہ بہت سے افراد کھیتوں میں، بازاروں اور گلیوں میں اور دکانوں کے چبوتروں پر گرمی ہو کہ سردی، آسمان کی کھلی چھت کے نیچے سونے پر مجبور ہیں۔ اب اگر ہمارے پاس کافی وسائل ہوں تو ہمیں چاہیے کہ موجودہ مکانات کی تعداد ڈیڑھ گنی کردیں۔

اس کے بعد صحت پر توجہ کی جانی چاہیے۔ یہ مسئلہ بہت ہی وسعتِ بحث کا طلبگار ہے اور اس کے ساتھ سینکڑوں امور کا قریبی تعلق ہے۔ مگر ہم اپنے موضوع کی رعایت سے چند اہم پہلوؤں پر غور کرنا کافی سمجھتے ہیں۔ یہ معلوم کرکے آپ کو حیرت ہوگی کہ کل آبادی میں سے دس لاکھ افراد سالانہ ملیریا کا شکار ہوتے ہیں اور بہت بڑی تعداد اس میں مبتلا ہونے کی وجہ سے کام سے الگ ہوجاتی ہے اور بسترِ مرض سے اٹھ کر بھی ایک عرصہ تک کام کے قابل نہیں ہوتی۔ ۸ لاکھ افراد دق اور سل اور ٹائیفائڈ اور دوسرے بخاروں کا لقمہ ہوجاتے ہیں۔ ہیضے کے حملوں کی وجہ سے ۱۹۳۰ء اور ۱۹۴۰ء کے درمیان اوسطاً ۱۰ لاکھ اموات سالانہ واقع ہوئیں۔ طاعون اور جذام اور دوسری بیماریوں کے اعداد و شمار ہمارے سامنے نہیں ہیں۔ آنکھیں ضائع ہونے کی وجہ سے جو لوگ بے کار ہوجاتے ہیں ان کا بھی حساب غرض نہیں کیا جاسکتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سے صحت کی حقیقت کا اندازہ لگائیے کہ ہندوستانیوں کی عمر کا اوسط ۱۹ء۲۶ سال ہے اور عورتوں میں ۵ء۲۶ سال۔

خصوصیت سے بچوں کی شرح اموات بہت ہی دردناک حد تک زائد ہے۔ مثلاً ۱۹۳۳ء میں جہاں بچوں کا اضافہ ۳۳ فی ہزار کے حساب سے ہوا وہاں ان میں سے ۲۲ کم عمری میں ہی موت کا شکار ہوگئے۔ زچاؤں کی شرح اموات تخمیناً ۲۰ فی ہزار ہے! ——— جبکہ انگلستان میں ۲ء۹ فی ہزار شمار کی گئی ہے!

اب آپ سوچ سکتے ہیں کہ یہاں خاص صحت کے نقطۂ نظر سے غذا، لباس اور مکان کے مسئلہ کو صحیح حل بھی کتنا ضروری ہے اور پھر لوگوں کو توہمات سے نکالنے اور انھیں صفائی ستھرائی اور حفظ صحت کے ڈھنگ سکھانے کے لیے تعلیم کا انتظام ناگزیر ہے۔ اور مزید یہاں یہ کہ شفاخانوں کا اور ڈاکٹروں، دائیوں اور نرسوں کا اور تفریح گاہوں کا وسیع سلسلہ پھیلانا ہماری کتنی بڑی ضرورت ہے! ——— خیر اگر ہمارے زکوٰۃ فنڈ کو توفیق ہو تو وہ اس خدمت میں حصہ لے سکتا ہے!

آخر میں تعلیم کو لیجیے۔ یہ اگرچہ بظاہر ثانوی سی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ مگر پڑھے لکھے لوگ جانتے ہیں کہ اس کی مدد کے بغیر ہماری اولین ضرورتیں بھی پوری نہیں ہو سکتیں۔ حال یہ ہے کہ تازہ مردم شماری کی رو سے صرف ۱۲۰ اشخاص فی ہزار خواندہ ہیں ——— اور ان میں سے بہت سے لوگ برائے نام خواندہ طبقہ میں بطور "حسن ظن" شمار کیے جاتے ہیں۔ حالانکہ ہمیں نوشت وخواند، حساب کتاب، دنیا کی معمولی سی واقفیت، صحت وصفائی کے اصولوں، اور پیشہ ورانہ فنی معلومات کے علاوہ دینی اور اخلاقی تعلیم کم از کم ناگزیر حد تک کسی شخص کو بہم پہنچا دینے کے بعد اسے "خواندہ" شمار کرنا چاہیے۔ مگر خیر ابھی تک ۱۲۰ فی ہزار، یا کل آبادی میں سے ۴ کروڑ ۸۰ لاکھ افراد خواندہ ہیں اور بقیہ ۳۴ کروڑ ۲۰ لاکھ جانوروں کی طرح محنت مزدوری کرتے، کچھ کھاتے پیتے چار دن جی کر عدم آباد کو رخصت ہو جاتے ہیں۔

آخر میں ہم نے آرام اور تفریح کی جو دفعہ ضروریات کی فہرست میں رکھی تھی، وہ اگرچہ بجائے خود بہت اہم ہے۔ مگر آپ جانتے ہیں کہ "یہ ہندوستان ہے" ——— اس لیے اسے فہرست سے بالکل خارج کر دیجیے۔ ابتدائی مسائل کے حل ہونے کے بعد آئندہ کوئی نسل اسے حل کرتی رہے گی۔ اس وقت تو شدید ترین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



امور پر غور کرنا کافی ہے کیونکہ آپ حالات کا سروے کرنے اٹھیں تو لوگوں کی بعض ضروریات چاروں طرف سے جھپٹ کے آجاتی ہیں، بھوک، برہنگی، جہالت، بیماری، ــــ غریب "بے آرامی" کو یہاں کیا اہمیت دی جا سکتی ہے!

(۱) ۴۰ کروڑ باشندوں کے لیے مناسب مقدار میں روٹی فراہم کرنا۔

(۲) ۱۶ کروڑ ۴۰ لاکھ باشندوں کی غذا کو بہتر بنانا۔

(۳) ۴۰ کروڑ افراد کے لیے ۰اگز فی فرد کے حساب سے کپڑے کے حصے میں اضافہ کرنا۔

(۴) ۳۰،۱۶۷۶۴ مکانات کی تعمیر۔

(۵) ڈاکٹروں اور دایاؤں کی ایک کثیر تعداد ــــ طبی تحقیقات کے ادارے ــــ شفا خانے ــــ سینی ٹوریم ــــ اور دواؤں کے بڑے بڑے اسٹاک!

(۶) نئے اسکولوں اور تعلیم بالغان کے مراکز کا اجراء۔

ان اہم ضروریات سے فاضل اگر کچھ رقوم رہیں تو عوام کی امداد کے اور بہت سے شعبے ہو سکتے ہیں۔

**ہندوستان میں زرعی زکوٰۃ کا اندازہ**

ہندوستان ایک زرعی ملک ہے اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہاں کی ارضی پیداوار سے حکومت ہاظل کو جو مالیہ حاصل ہوتا ہے یا نظام اسلامی کے تحت جو "عشر" حاصل ہو سکتا ہے اس کی مقدار بہت ہی کثیر بنتی ہے۔

پیشتر اس کے کہ ہم ایک سرسری اندازہ (Rough estimate) عشر کا قائم کریں، لازم ہے کہ عشر کے متعلق چند آئینی تفصیلات کو بیان کر دیں۔

(۱) حکم نص یہ ہے کہ جو زمینی پیداوار حاصل کرتے ہو اس پر زکوٰۃ دو۔ اس سے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا مالک زمین کی طرح کاشتکار پر بھی زکوٰۃ (عشر) واجب الادا ہے؟ اس معاملہ میں دو رائیں ممکن ہیں:

ا۔ زمیندار اور کاشتکار دونوں زمین سے پیداوار اٹھاتے ہیں، اول الذکر ملکیت زمین اور بعض مصارف کے حق کی بنا پر، اور ثانی الذکر محنت کے حق کی بنا پر ــــ ان دونوں کو اپنے اپنے حصہ سے عشر دینا چاہیے۔

ب۔ کاشتکار تو محض مزدور ہے، جو اپنا معاوضہ کار جنس اور نقد دونوں شکلوں میں لے سکتا تھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور تنخواہ کا اصول ہو یا حصہ داری حاصل کا، بات ایک ہی ہے، اس وجہ سے اس پر عشر واجب نہیں!

مگر ان دونوں رایوں کا جوہر اگر جمع کر لیا جائے تو ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ زمیندار کو بھی اور کاشتکار کو بھی اس امر کی گنجائش ہونی چاہیئے کہ وہ اپنے مصارف اور معاش کو الگ کرنے کے بعد عشر نکال دیں۔ یا اگر زمیندار ہی عشر نکالے تو کل پیداوار سے نکالے اور پھر بقیہ دونوں میں تقسیم ہو۔ اسی وجہ سے شرع نے عشر کے لیے نصاب مقرر کیا ہے کہ مصارف کاشت و معاش برآمد ہو جائیں۔

(۲) نصاب کیا ہے؟ —— بعض ائمہ کسی نصاب کے سرے سے قائل نہیں ہیں، بلکہ ہر مقدار پیداوار پر عشر کا عائد ہونا واجب مانتے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک نصاب ہے۔ ہم بھی اسی رائے سے اتفاق رکھتے ہیں۔ اس نصاب کی مقدار میں بھی اختلاف رائے ہوا ہے۔ مگر سہولت کے لیے ہم اس رائے کو اختیار کرتے ہیں، جو فرمودۂ نبوی "لیس فی حب ولا تمر صدقۃ حتی تبلغ خمسۃ اوسق" سے ماخوذ ہے اور خمسۃ اوسق کو اندازاً ۱۰ من انگریزی کے برابر قرار دیتے ہیں۔

(۳) کس فصل کو استثنا ہے؟ —— فرمودۂ نبوی ہے کہ لیس فی الخضراوات صدقۃ ولا فی العرایا صدقۃ۔ یعنی سبزیوں اور چارہ کی فصلوں اور وقتی (جن کا ذخیرہ نہ ہو سکے) پھلوں میں زکوٰۃ نہیں۔

(۴) بارانی زمین کی پیداوار میں زکوٰۃ کی شرح ۱/۱۰ ہے اور مصنوعی آبپاشی کی جائے تو (اس کے صرفہ و محنت کا لحاظ کرتے ہوئے) شرح زکوٰۃ ۱/۲۰۔ (عن عبد اللہ بن عمر عن النبی صلعم فیما سقت السماء والعیون اوکان عثریا العشر وما سقی بالنضح نصف العشر۔)

ان ضروری اشارات کے بعد ہندوستان کی زرعی حالت کے متعلق یہ واضح رہے کہ ۳۵–۱۹۳۴ء[1] میں کل رقبۂ زیر کاشت ......۵ ۹ ۲ ایکڑ تھا۔ اس میں سے مصنوعی طور پر آبپاش رقبہ ......۲ ۵ کروڑ ایکڑ تھا اور بقیہ بارانی ......۳ ۴ ۲ کروڑ ایکڑ تھا۔ یعنی اول الذکر کی پیداوار میں عشر کی شرح ۱/۲۰ ہو گی اور ثانی الذکر پیداوار میں ۱/۱۰۔

اس سارے رقبہ میں ۳/۴ ۲ رقبہ ایسا تھا جس میں چارہ کی فصلیں کاشت کی گئی تھیں اور تقریباً

[1] دوران جنگ میں چونکہ افراط زر کی کیفیت مصنوعی طور پر پیدا کی گئی ہے اور اس سے صحیح اندازہ میں خلل واقع ہوتا ہے اس وجہ سے قبل جنگ کے اعداد و شمار سے نتائج کا اندازہ کرنا زیادہ مناسب ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور سبزیوں کے لیے اندازاً ہمیں الگ کر دینا چاہیے، یعنی کل ۴۰۸ فیصد رقبہ عشر سے مستثنیٰ رہے گا۔ یہ مقدار بنے گی دو کروڑ سینتالیس لاکھ اسی ہزار ایکڑ۔ علاوہ بریں اندازاً زمین سے پیداوار حاصل کرنے والے زمینداروں لاکھوں میں سے وہ بڑی تعداد جو نصاب سے کم پیداوار دینے والا رقبہ رکھتی ہے، اس کی اراضی کو عشر سے مستثنیٰ کرنے کے لیے نصف رقبہ ہمیں الگ کر دینا چاہیے۔ یوں تو زراعت پر گزران کرنے والوں میں وہ زیر نصاب سے کم فصل دینے والا رقبہ رکھتے ہوں گے، لیکن چونکہ ان کے قبضہ میں اوسطاً فی کس رقبہ کم ہی آتا ہے اس لیے لازماً نصاب سے زائد پیداوار حاصل کرنے والوں کی تعداد اگرچہ کم ہو مگر رقبہ زمین بحیثیت مجموعی ان کی طرف زیادہ جاتا ہے۔ اس وجہ سے ۵۰ فیصد رقبہ کو عشر ادا کرنے والا رقبہ ماننا کچھ غلط اندازہ نہیں ہوگا۔

مگر محض رقبہ سے تو عشر کا اندازہ ہونے سے رہا، یہ تو متعین طور پر معلوم ہونا چاہیے کہ پیداوار کتنی ہوتی ہے کیونکہ عشر پیداوار پر محسوب ہوتا ہے۔

پیداواروں کے متعلق اگرچہ فصل سال وار اعداد و شمار موجود ہیں مگر ان کی قیمت لگا کر اندازہ قائم کرنے سے بہتر یہ ہے کہ ماہرین کا لگایا ہوا اندازہ پیش نظر رکھا جائے۔ مثلاً

مسٹر مسانی نے مختلف خوردنی و صنعتی اجناس کی پیداواروں کو پیش نظر رکھ کے قبل جنگ کے نرخوں کی روشنی میں یہ رائے دی ہے کہ ہندوستان میں فی ایکڑ اوسط زرعی پیداوار کی آمدنی ۵۰ روپے ہے۔ اب کل مزروعہ رقبہ انتیس کروڑ پچاس لاکھ ایکڑ میں سے نصف کو مستثنیٰ کر دیجیے جس کے مالکوں یا مزارعوں کو [illegible] عشر سے کم پیداوار ملتی ہے۔

| | | |
|---|---|---|
| اب رہا زائد از نصاب پیداوار دینے والا رقبہ: | ۱۴۷۵۰۰۰۰۰ | ایکڑ |
| اس میں سے مصنوعی آبپاشی = | ۲۶۰۰۰۰۰۰ | ایکڑ |
| بارانی = | ۱۲۱۵۰۰۰۰۰ | ایکڑ |

| | |
|---|---|
| مصنوعی آبپاشی رقبہ میں سے چارہ اور سبزیاں اگانے والے ۴۰۸ پر رقبہ کی منہائی | ۲۶۰۰۰۰۰۰ |
| | ۳۰۰۴۰۰۰ |
| | ۲۱۳۹۶۰۰۰ |

© rasailojaraid.com

© rasailojeraid.com

| | | |
|---|---|---|
| پیداوار بحساب ۵۰ روپیہ فی ایکڑ = | ۱۱۹۸۸۰۰۰۰۰ | روپیہ |
| زکوٰۃ بحساب ۱/۲۰ = | ۵۹۹۴۰۰۰۰ | روپیہ |
| بارانی رقبہ میں سے چارہ اور سبزی اگانے والے ۸ء۴ بز رقبہ کی منہائی | ۱۲۱۵۰۰۰۰۰ <br> ۱۰۲۰۶۰۰۰ <br> ۱۱۱۲۹۴۰۰۰ | |
| پیداوار بحساب ۵۰ روپیہ فی ایکڑ = | ۵۵۶۴۷۰۰۰۰۰ | روپیہ |
| زکوٰۃ بحساب ۱/۱۰ = | ۵۵۶۴۷۰۰۰۰ | " |
| دونوں رقبوں کی زکوٰۃ کا مجموعہ ـــــ = | | |
| بارانی = | ۵۵۶۴۷۰۰۰۰ | روپیہ |
| مصنوعی آبپاشی = | ۵۹۹۴۰۰۰۰ | روپیہ |
| میزان | ۶۱۶۴۱۰۰۰۰ | " |

یہ رقم اکسٹھ کروڑ چونسٹھ لاکھ دس ہزار روپے سالانہ حاصل ہوگی۔

اور اگر بقیہ نصف رقبہ پر بھی اس نظریہ کے تحت زکوٰۃ لی جائے جس میں زرعی زکوٰۃ کے لیے کوئی نصاب تسلیم نہیں کیا گیا تو یہ رقم دگنی ہو جائے گی یعنی ۱۲۳۲۸۲۰۰۰۰ روپیہ سالانہ۔

اب اگر اتنی رقم ہر سال غربا کی امداد کے لیے نکالی جائے تو خیال کیجیے کہ "سرمایہ داری" کس طرح مکمل طور پر ختم ہو جائے گی "اور مفلسی رفتہ رفتہ کیسی تومند ہوکے رہے گی۔ روپے اور دولت کے سمندر میں سے اتنی بڑی نہر نکال کر پہلے کھیتوں تک لے جائی جائے تو کتنا بڑا انقلاب واقع ہو سکتا ہے۔

یہ ضرور ہے کہ زکوٰۃ لینے کے بعد آپ مروجہ مالیہ وصول کرنے کے حقدار نہ ہوں گے، اور جو مصارف آج مالیہ سے پورے ہوتے ہیں ان کے لیے یقیناً دوسرے ذرائع نکالنے پڑیں گے ـــــ یعنی امرا پر فرید ٹیکس وغیرہ کا ڈالنا ضروری ہوگا ـــــ مگر آپ غربا کا یہ حق مار کر اور اس کی جگہ مالیہ وصول کر کے اپنے مصارف ریاست کو پورا کرنے ہی کی وجہ سے تو سرمایہ داری کو پھلنے پھولنے کا موقع دے رہے تھے۔ اب اگر اس بلا کو روکنا ہے تو غربا کا حق غربا کے لیے چھوڑ دیجیے اور اپنے مصارف دوسرے ذرائع سے پورے کیجیے۔

(باقی)

© rasailojeraid.com